© rasailojaraid.com

اسلام کا خود مکتفی عائلی نظام

(از جناب ڈاکٹر سید معین الدین قادری (حیدرآباد) سابق ریڈر معاشیات جامعہ عثمانیہ)

اسلام کے عائلی قوانین، جن کو بالفاظ دیگر احوال الشخصیہ، احکام فردی یا پرسنل لا کی اصطلاحوں میں بیان کیا جاتا ہے وہ در اصل شریعتِ اسلامیہ کا جزو لاینفک ہیں۔ اس اعتبار سے ان قوانین کی تشریح، ان کی تدوین جدید بلکہ ان کے نفاذ کا طریقہ بھی شرعی حدود کے اندر ہی ہونا چاہیے۔

جب تک مسلم مملکتوں میں اسلامی قانون بطور ملکی قانون کے رائج رہا اس وقت تک اس قانونی نظام کے مختلف اجزاء کو جزوی انداز پر سوچنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی اور مسلمانوں کے عائلی قوانین اس کل کا ایک جزو ہی سمجھے جاتے رہے اور انھیں کوئی علیحدہ نام بھی نہیں دیا گیا یہی وجہ ہے کہ فقہ اسلامی کی قدیم کتابوں میں مسلم پرسنل لا جیسی کوئی اصطلاح ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ یہ مغربی دماغ کی پیداوار ہے۔ البتہ حقوق الزوجین کے ساتھ علم الفرائض "نصف العلم" کی اہمیت کا حامل رہا اور وراثت کا یہ یگانۂ روزگار قانون اقوام و ملل کی تاریخ میں اپنی مثال آپ رہا۔ یہ قانون درحقیقت، عالم انسانیت کو اسلام کی ایک گراں قدر دین ہے۔ اسلامی پرسنل لا انہی قوانین سے عبارت ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مغرب کے غلبہ و تسلط کے دور میں جب ملتِ اسلامیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اپنے قانونی نظام کے ایک بڑے حصے کے اتلاف کو برداشت کر لیا تو کیا مسلما اس موقف پر حق بجانب ہو سکتی ہے کہ اسی نظام قانون کے ایک جز کو بطور ایک د ورثہ کے اپنے سینہ سے لگائے رکھے اور اس کی صیانت وحفاظت میں اپنا پورا لگا دے؟ جواب یقیناً اثبات میں ہے۔ تاریخ کے شواہد، ان قوانین سے متعلق سابقہ حکو کا مسلسل رویہ اور خود ان قوانین کی نوعیت بھی اس حقیقت کی تائید کرتے ہیں کہ دنیا کی قومیت اپنے پرسنل لا کی بقا و برقراری کے لئے کوشاں رہی اور اس کی بدولت دنیا کی مختلف قومیتوں کے درمیان ان کی امتیازی وحدت باقی و برقرار بھی رہی۔

قوانین اپنی نوعیت میں دستوری ہوں کہ حربی، فوجداری ہوں کہ تجارتی یا بین صوبجاتی ہوں کہ بین الاقوامی یہ سب حکومت کے وسیع دائرہ سے تعلق رکھتے ہیں جس میں فرد یا سماج کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے پرسنل لا یا عائلی قوانین کا تعلق، جیسا کہ ان کے نام ہی سے ظاہر ہے، فرد، خاندان اور عقیدہ کی زندگی سے ہوتا ہے اور اس حیثیت سے ان کی برقراری اور بقا کا انحصار بڑی حد معاشرہ کی ذمہ داری میں داخل ہے اور حکومتیں عام طور پر اس میں مداخلت نہیں کر مملکتیں قائم ہوتی اور مٹتی رہتی ہیں، حکومتیں آتی اور جاتی رہتی ہیں اور اسی طرح اقتدار بھی قاہرانہ و آمرانہ رہتا ہے، کبھی کلیت پسند اور جابرانہ ہوتا ہے اور نازک دور میں کبھی مجہول رہتا اور کبھی طوائف الملوکی کا شکار ہو جاتا ہے۔ مگر حکومتوں کی الٹ پھیر، اقتدار کے عروج و زوال اور زمانے کے ان تمام تغیرات میں جس چیز کو ثبا و قرار کا مقام حاصل ہے وہ ہے فرد اور خاندان کا عنصر جو اپنی بقا و برقراری کا اپنے تسلسل کے ذریعہ فراہم کرتا رہتا ہے۔ اپنی چند مخصوص خصوصیات و امتیا کے ساتھ ایک قومیت کا یہ تاریخی تسلسل رہین منت ہے ان عائلی قوانین اور اس نظریۂ حیات کا جس کو اس سماج کے افراد ایک دینی ورثہ کے طور پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سینہ سے لگائے رکھتے اور اس امانت کی حمایت و حفاظت میں اپنی جان و مال کی بازی لگائے رہتے ہیں۔ یہ دینی ورثہ اور یہ ملی امانت عبارت ہے ان عائلی قوانین سے جن کو احوال الشخصیہ احکام فردی اور پرسنل لا کی اصطلاحوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

انسانی سماجیات کے نقطۂ نظر سے عائلی زندگی کا دائرہ وسیع تر قومی و بین الاقوامی زندگی کی ایک ابتدائی اکائی کی حیثیت رکھتا ہے اور محدود ہونے کے باوجود بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ عائلی قوانین عمرانی زندگی کی اسی ابتدائی و بنیادی اکائی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر سماجیات کے نقطۂ نظر سے خاندان اور معاشرہ خود مکتفی ہے اپنے عائلی دائرہ میں خود اختیار ہے اور آئین سے بنیادی حقوق اور قانون سے انفرادی و مذہبی حقوق کی روشنی میں یک گونا آزاد ہے تو پھر اس کو اپنے ربانی قوانین کی مطابقت میں اپنے معاشرہ کی تنظیم نو، اپنے شخصی قوانین کی تدوین جدید اور ان قوانین کی رو سے اپنے مخصوص دینی اداروں کے ذریعہ انصاف رسانی کی آزادی بھی حاصل ہونی چاہیے گویا سماجی خود اکتفائیت اور خود مختاری جس کو مغربی اصطلاح میں (social autonomy) کہتے ہیں وہ مملکت ہند کے تمام ہی باشندوں کا آئینی و پیدائشی حق ہے اگر ملت اسلامیہ ہند اپنی معاشرتی زندگی کو دین کی استوار بنیادوں پر قائم و برقرار رکھنا چاہتی ہے تو اس کو ان حقوق اور سہولتوں سے پورا پورا استفادہ کرنا چاہیے جو مملکت کے دستور اور ملک کے قانون نے اس کو عائلی دائرۂ حیات میں مہیا کیے ہیں۔ ایسے اسلامی معاشرہ کا استقرار و استحکام انہی امور پر منحصر ہے کہ ملت کا ہر فرد ان شرعی قوانین کی اتباع کو اپنا دینی فرض سمجھے اور مسلم معاشرہ ایسے اداروں کا قیام عمل میں لائے کہ جن کے ذریعہ ملت کے ہر فرد کو اپنے نزاعی مسائل میں شرعی احکام کے مطابق انصاف ملتا رہے۔

جہاں تک قانون کا تعلق ہے شرعی احکام کے مجموعہ میں عائلی قوانین ہی کا اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیثیت کے حامل ہیں جن کو قانون کی اصطلاح میں ملکی قانون سے تعبیر کیا جاسکتا ہے
اس کی بنیاد مسلم پرسنل لا (شریعت) اپلیکیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء ہے جو آزادئ ہند سے پہلے
کا ایکٹ ہونے کے باوجود آج بھی اس آزاد مملکت کا ایک مسلمہ قانون ہے۔ اس کا [illegible]
کی بقا و استقرار کا تحفظ ہمارا دینی فریضہ، ملی ذمہ داری اور دستوری قانونی حق ہے۔ یہی وجہ ہے
اس سلسلہ میں ملت کا مزاج بے حد حساس اور اس کا دینی شعور پورے طور پر بیدار ہے
ملی زندگی کا یہی وہ محاذ ہے جس پر ملت کے تمام افراد بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ کی طرح صف آرا ہیں۔

ہندوستان کے سیکولر ماحول میں بعض عائلی قوانین کے چلن میں کچھ رکاوٹیں محسوس ہوں یا ان کی
تنفیذ میں دشواریاں پیش آئیں تو ہمیں اس سلسلہ میں حتی الامکان کوشش یہ کرنی چاہئے کہ وہ [illegible]
اور ایسی دشواریاں ہماری راہ سے ہٹ جائیں۔ اگر ان مشکلات پر عبور حاصل کرنے کا امکان نظر
نہ آئے تو بعض فروعی مسائل میں تلفیق کے ذریعہ اصلاح و ترمیم کرکے آسانیاں بھی پیدا کی جاسکتی ہیں
چنانچہ قانون انفساخ نکاح ۱۹۳۹ء کی تدوین تلفیق ہی کے ذریعہ عمل میں آئی ہے اور مالکی و شافعی مذاہب
کے مسائل سے اس میں سہولتیں نکالی گئی ہیں اور اس کو موجودہ ماحول کے مطابق بنا لیا گیا ہے یہ فقہائے
ہند کا کارنامہ ہے اور "الدین یسر" کی اسپرٹ کے عین مطابق ہے تغیر احکام کی نسبت مجلۃ الاحکام
العدلیۃ میں یہ دفعہ موجود ہے "لا ینکر تغیر الاحکام بتغیر الزمان"

ڈاکٹر صبحی محمصانی نے اس میں اتنا اضافہ کیا ہے "لا ینکر تغیر الاحکام
وتغیر الامکنۃ والاحوال" وضع قوانین کی نسبت اس فقہی اصول کا ہندوستان
کے موجودہ حالات پر پوری طور پر اطلاق ہوتا ہے لیکن عائلی قوانین میں فقہی فریم ورک کے اندر
رہتے ہوئے اصلاح و ترمیم کرنا یا ان میں حالات حاضرہ کے مقتضیات کو پیش نظر
رکھ کر تدوین جدید کی کوشش کرنا علما، فقہا و متبحر قانون دانوں کا کام ہے۔ اس کام میں
بیرونی مداخلت یا خارجی اثرات کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام کا قانونی نظام اپنی ماہیت
و ترکیب میں اس قدر لچکدار اور ترقی پذیر ہے کہ زمان و مکان کے [illegible]

© rasailojaraid.com

سماجی اور معاشی ماحول کے اثرات ہوں ان تمام احوال میں وہ اپنے ماننے والوں کی صحیح اور صحت مند تہذیبی خطوط پر رہنمائی و رہبری کر سکتا ہے چنانچہ عصر حاضر کے مقتضیات اور زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر بحر ظلمات سے بحر الکاہل تک پھیلے ہوئے مسلم ممالک میں مراقش سے انڈونیشیا تک مسلم پرسنل لا کی تدوین جدید کی کامیاب کوششیں کی گئیں اور شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے تلفیق کے ذریعہ ان عائلی قوانین کو مدون کرکے نافذ بھی کر دیا گیا ہے سیکولر ممالک میں ہندوستان اور سیلون میں بھی ایسی ہی کامیاب کوششیں کی گئیں اور مروجہ پرسنل لا اس کی شہادت ہیں۔ عائلی قوانین میں تدوین جدید کی اس تحریک نے جہاں فقہ اسلامی کی تدوین جدید کی راہیں ہموار کر دی ہیں اس سے فقہ کا جمود بھی ٹوٹا اور ادھر مستشرقین کو اس امر کا اعتراف کرنا پڑا کہ فقہ اسلامی کا تسلسل ابتداء سے آج تک برابر جاری ہے اور یہ نظامِ قانون اپنی قدامت کے باوجود اس قدر جاندار اور بذاتہ قوی ہے کہ ہر زمانہ کے چیلنجس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

تدوینِ جدید کا مسئلہ تو وضع قوانین سے تعلق رکھتا ہے لیکن دوسرا مسئلہ جو راست طور پر اسلامی قانون سے متعلق ہے وہ انصاف رسانی کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ مختلف ممالک کے سیاسی، معاشی اور سماجی سیٹ اپ میں مختلف الجھنوں میں پھنس جاتا ہے جس کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں مشکل مسائل رونما ہونے لگتے ہیں۔

مسلم ممالک میں عدلیہ کا کام مسلمانوں کے زیر انصرام ہے اور انصاف رسانی کی خدمات بھی مسلم ججس ہی کے ذریعہ جاری رہتی ہیں۔ اس لئے ان ممالک میں قضائے قاضی کا مسئلہ بھی پیدا ہی نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے سیکولر ممالک میں جہاں غیر مسلم باشندوں کی اکثریت ہے عدلیہ کا ماحول ایسا نہیں ہے۔ عدلیہ کے دروازے تو مملکت کے تمام ہی باشندوں کے لئے یکساں طور پر کھلے ہوئے ہیں اور انصاف رسانی کی خدمات بھی بلا امتیاز مذہب و ملت ان ممالک کے ججس کے تفویض ہے۔ ان میں ہندو بھی ہیں مسلم بھی اور پارسی سکھ

© rasailojaraid.com

عیسائی بھی۔ ملک کا سیکولر ماحول مذہبی تفرقوں اور فرقہ وارانہ امتیازات کا متحمل نہیں اس کی نظر میں سبھی مجبب ایک ہی معیار و اعتبار کے حامل ہیں۔ مساوات کا یہ اصول سیاسی اور عام تہذیبی زاویۂ نگاہ سے بھلا بھی معلوم ہوتا ہے اور بادی النظر میں اس میں کوئی قابل اعتراض بات نظر بھی نہیں آتی لیکن اسی مسئلہ پر جب ہم دینی زاویوں سے نظر ڈالتے ہیں تو مختلف ٹکنیکل مسائل [illegible] سطروں کے سامنے آتے ہیں۔ نظام قانون کے اختلاف، قوانین کی نوعیت کے فرق اور فریق مقدمہ کے تہذیبی مزاج کی کیفیات کو پیش نظر رکھ کر اس مسئلہ کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو انصاف رسانی میں شخصیات کی اہمیت کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس مسئلہ پر لارڈ میکالے کی عالمانہ تنقید کے ایک اقتباس کے مطالعہ سے اس امر کی وضاحت ہو جائے گی کہ انصاف رسانی میں شخصیات کو کیا اہمیت حاصل ہوتی ہے ۱۸۳۳ء میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے پرسنل لا کی تدوین کی تحریک کرتے ہوئے گورنر جنرل کے فسٹ لا ممبر میکالے نے کمیشن کے قیام کے لئے اس طرح اظہار خیال کیا تھا:۔

"اگر ہندو قانون کا کوئی مسئلہ رونما ہوتا ہے تو جج کو کسی پنڈت سے مشورہ کرنا پڑتا ہے اور اگر اسلامی قانون کے کسی مسئلہ سے سابقہ پڑتا ہے تو جج مفتی کے فتوے کا محتاج رہتا ہے نہ ہی قوانین کی تاویلات میں غلطیوں کے احتمال کو بدگمانی پر محمول کرتے ہوئے نظر انداز بھی کر دیا جائے تو اس مسئلہ میں اشکال کی ایک دوسری صورت یہ نظر آتی ہے کہ یہ مشیر قانونی قانون کے جن ذرائع سے اپنی تاویلات پیش کرتے ہیں وہ ماخذ اس قدر منتشر حالت میں پائے جاتے ہیں کہ کسی جج کا ان مشیروں کی اصابت رائے پر بھروسہ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ نہ تو جج ہی کو اس کا قطعی علم ہوتا ہے کہ وہ کس قانون کی بنا پر انصاف رسانی کی خدمت انجام دے رہا ہے نہ ہی مقدمہ کے فریقین کو اس امر کا تشفی بخش طریقہ پر یقین ہو سکتا ہے کہ کس قانون کی بنا پر ان کے مقدمہ کا فیصلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صادر ہوا۔

لارڈ میکالے کی اس تجویز سے کلکتہ، مدراس اور بمبئی کے اراکین نے اختلاف کیا انصاف کے مصلحت آمیز اختلاف کے باعث مسلم پرسنل لا کو مدون کرنے کی پہلی تجویز نامنظور ہوئی ورنہ ڈیڑھ صدی پہلے ہی ان قوانین کی تدوین کا کام مکمل ہو گیا ہوتا۔

تجویز کی ناکامی کے قطع نظر جو سبب اس تجویز کو پیش کرنے کا محرک بنا وہ ہماری نظر میں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ وہ سبب میکالے جیسے قانون داں کی طرف سے اس امر کا اعتراف ہے کہ ایک غیر مسلم جج جو اسلامی قانون کے رموز و اسرار کا علم نہیں رکھتا اور جس کو شریعت کے مزاج سے مس نہیں ہوتا وہ مسلمانوں کے مقدمات میں انصاف رسانی کی تدابیر کما حقہ انجام نہیں دے سکتا۔ لارڈ میکالے جیسے ماہر قانون[۱] کی یہ رائے کہ مسلمانوں کی باہمی نزاعات میں ایک غیر مسلم جج شرعی انداز پر صحیح فیصلہ دینے کا اہل نہیں ہوتا، گویا اس امر کی عقلی اور حقیقت پسندانہ توجیہہ ہے جس کو فقہ اربعہ کے ائمہ نے متفقہ طور پر ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

لِأَنَّ الْكَافِرَ لَيْسَ بِأَهْلِ الْقَضَاءِ عَلَى الْمُسْلِمِ "درمختار نے اس پر ائمہ کرام کے اجماع کی بھی صراحت کر دی ہے "کما صرح فی جمیع کتب الفقہ" چونکہ اس مسئلہ پر فقہائے متقدمین و متاخرین کا اتفاق ہے اور عصر حاضر کے علماء بھی اس کی مصلحتوں سے پوری طور پر متفق ہیں اس لئے اس حکم پر گویا سبھی کا اجماع ہے۔

اس اعتبار سے فصل مقدمات کے مسئلہ میں اس حکم سے اختلاف کرتے ہوئے غیر مسلم کو دینی مسائل میں انفصال مقدمات کا اختیار دینے کی تائید کرنا گویا ھدم دین کے لئے دروازہ کھولنا ہے۔

ایک طرف تو فقہ کا یہ حکم ہے جس سے مسلمان انحراف نہیں کر سکتے اور دوسری طرف دنیا پھر میں عدلیہ کا ایسا نظام برسر کار رہے جس میں بیشتر صورتوں میں انصاف رسانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا خدانخواستہ غیر مسلم جج کے ہاتھ میں ہی ہو مزید برآں ملک میں دارالقضاء کی عدم موجودگی یا قضائے شرعی کے فقدان کے باعث مسلمانوں کو شرعی احکام پر فیصلے حاصل کرنے کا کوئی متبادل دینی ادارہ منظم شکل میں موجود ہی نہیں ہے ان حالات سے مجبور ہوکر اگر کوئی مسلمان اپنا مقدمہ اس توقع کے ساتھ ان سیکولر عدالتوں میں دائر کرے کہ اس کو یہاں سے کم از کم مسلم پرسنل لا کے مطابق فیصلہ مل جائے گا تو ہو سکتا ہے کہ یہاں کے فاضل جج مسلم فریقین کے مقدمہ کا فیصلہ ان کے پرسنل لا کے مطابق دینے میں کامیاب بھی ہو جائیں لیکن بایں ہمہ احتیاط' سیکولر عدالت کے فیصلہ میں مذکورہ بالا فقہی حکم کی رو سے یہ سقم بہر حال رہ جائے گا کہ جج کے غیر مسلم ہونے کی بنا پر ان کا عدالتی فیصلہ قانونی تو نافذ ہو گا لیکن مسلم فریقین پر شرعاً اس کا نفاذ عمل میں نہ آئے گا۔

مروجہ سیکولر عدالتوں کے غیر مسلم جج کے فیصلوں کے قانونی نفاذ اور دینی مسائل میں ان کے احکام کے عدم نفاذ کے اختلاف سے مسلمانوں کی عملی زندگی پر دور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ مسلم فریقین اپنے مقدمہ میں عدالتی فیصلہ حاصل کرنے کے باوجود شرعاً اس پر عمل پیرا نہ ہو سکیں گے اگر شرعی احکام سے سرتابی کے مرتکب ہوں تو معصیت میں گرفتار ہو جائیں گے مثلاً خلع کے مقدمہ میں انفساخ نکاح کا فیصلہ کرنے میں کسی عورت کو عدالت میں کامیابی بھی ہو جائے تو وہ غیر مسلم جج کے اس فیصلہ کے باوجود عقد ثانی کی یوں مجاز نہ ہوگی کہ اس فیصلہ کے شرعاً عدم نفاذ کی بنا پر وہ تاہنوز اپنے پہلے شوہر ہی کے عقد نکاح میں بندھی ہوئی متصور ہوگی۔ اگر وہ شرعی احکام سے انحراف کرتے ہوئے عقد ثانی کی جرأت کر بیٹھے تو اس کی یہ جسارت معصیت قرار پائے گی' اس کا عقد منعقد نہ ہوگا اور اس کی اولاد ناجائز قرار دی جائے گی اور وہ وراثت سے محروم کردی جائے گی۔ یہ بڑا سماجی المیہ ہوگا۔

سیکولر ہندوستان کے موجودہ ماحول میں دارالقضاء کی عدم موجودگی اور قضائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حرج کے مختلف ان سے عائلی زندگی کی نزاعات میں ایسی گرہ کاریں پیدا ہوگئی ہیں کہ جن کو "حرج" کی کیفیات سے تعبیر کیا جاسکتا ہے لیکن قرآن نے دینی معاملات میں "حرج" کی صریحاً نفی کی ہے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ط (الحج ۲۲: ۷۸)

"تمہارے لئے دین میں کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی ہے"۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو ایسے حالات سے سب سے پہلے اس وقت سابقہ پڑا جبکہ انگریزی دورِ حکومت میں گورنر جنرل کے حکم سے ۱۸۶۴ء میں دار القضاء کی موقوفی عمل میں آئی اور تمام نوعیت کے مقدمات کو ان کی قائم کردہ سیکولر عدالتوں سے رجوع کرنے کے احکام نافذ ہوئے جب ہندوستانی باشندوں نے انگریز حکام کے ان احکام کے خلاف احتجاج کیا تو انھوں نے اپنی عدالتوں میں مسلمانوں کے لئے مفتی اور ہندوؤں کے لئے پنڈت مشیروں کا تقرر کیا تاکہ متعلقہ فرقوں کے مقدمات کی سماعت میں ان سے مشورہ کیا جاسکے۔ کچھ عرصہ بعد یہ طریقہ بھی موقوف کر دیا گیا اور اس وقت سے تمام باشندگانِ مملکت کو حصولِ انصاف کے لئے بلا امتیاز مذہب و ملت سول کورٹس کے فیصلوں کا پابند کر دیا گیا گویا اس وقت سے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے قضائے شرعی کے فقدان کا مسئلہ پیدا ہوگیا اور مسلمانوں کے عائلی قوانین بڑی حد تک مفلوج ہو کر رہ گئے اور ایک عرصۂ دراز سے مسلم معاشرہ طرح طرح کی بدعنوانیوں کو بھگتتا چلا آرہا ہے اور شرعی ڈھیل سے فائدہ اٹھا کر مختلف اجنبی رسوم و رواج اور غیر اسلامی ثقافت نہیں بلکہ "ہند لمانی" تہذیب ہے جو مرکب ہے ہندو مسلم تہذیب کا۔

ملتِ اسلامیہ کو جب پہلے پہل ایسے مسائل سے سابقہ پڑا تو انھوں نے مرکزیت ختم ہو جانے کے باعث اپنی خاندانی نزاعات کو نجی طور پر تحکیم اور ثالثی کے ذریعہ طے کرنے کا طریقہ اختیار کیا اور اپنے عائلی مسائل کو سول کورٹس سے رجوع کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے احتراز و گریز کرتے رہے لیکن موجودہ دور میں یہ مسائل جو انگلی مصائب کی ... بڑی پیچیدہ اور مشکل شکل اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ ان اسباب میں آبادی کا تیز رفتار اضافہ، روزگار کے لئے داخلی و خارجی ترک وطن کے مواقع، غیر قوموں میں شادی کا بڑھتا ہوا رواج اور مغربی تہذیب سے متاثر موجودہ نسل کا اخلاقی انحطاط بڑی حد تک ان مسائل کو ابھارنے کے ذمہ دار ہیں۔ امریکہ اور ولایات فرنگستان وغیرہ تو ان مسائل کو پیدا کرنے کے ذمہ دار تھے ہی لیکن کچھ تھوڑے عرصہ سے مغربی ایشیا میں متلاشیانِ روزگار کا ایک وسیع نوجوان طبقہ بھی ان میں شامل ہو گیا ہے۔ یہ تو اللہ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ ملک کے محدود ذرائع روزگار کی بڑھتی ہوئی تنگیوں کے ساتھ بیرونی ممالک کے مواقع وسیع سے وسیع تر ہوتے جا رہے ہیں اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ مختلف ولایات میں متوطن شہریوں کی زندگی گذار رہا ہے۔ ان میں سبھی تو نہیں لیکن چند غیر ذمہ دار اشخاص ایسے بھی پائے گئے جنھوں نے بہتر ذرائع روزگار حاصل ہونے کے بعد وہیں پر اقامت اختیار کر لی اور وہیں کی عورتوں سے عقد ثانی بھی کر لیا اور یہاں کی سابقہ بیویوں کو یونہی معلق چھوڑ دیا۔ ان میں سے بعض اپنی بیویوں کے نان نفقہ کا بندوبست کر کے جاتے ہیں، بعض خبر گیری بھی نہیں کرتے اور چند ایسے بھی ہوتے ہیں جو مفقود الخبر ہو جاتے ہیں۔

ولایت کے متوطن اشخاص کی مفقود الخبری تو ایک دیرینہ مسئلہ تھا ہی لیکن کچھ عرصے سے اس سلسلہ میں ایک نیا مسئلہ رونما ہوا ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ مغربی ایشیا کے بعض متمول لوگ یہاں کی عورتوں سے شادی بیاہ کے تعلقات پیدا کر رہے ہیں اس سے یہاں کے غریب طبقہ کی عورتوں کو بڑا سہارا مل رہا ہے اور ان طبقات میں فراخی اور خوش حالی کے آثار بھی نظر آ رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر مرد اپنی نئی بیویوں کو اپنے ساتھ وطن لے جاتے ہیں اور بعض ان کے نان و نفقہ کا پورا انتظام کر کے اپنے وطن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے جاتے رہتے ہیں لیکن ان میں سے چند ایسے بھی غیر ذمہ دار ہوتے ہیں جو بچے پیدا
کرکے اپنے وطن چلے جاتے اور مفقود الخبر ہو جاتے ہیں اور ان کی بیویاں یہاں معلق زندگی
گزارتی رہتی ہیں۔ سماوی آفتوں کے آفریدہ مسائل سے کہیں زیادہ تکلیف دہ مسئلہ ملک
ہی کے ان غیر ذمہ دار افراد کا پیدا کردہ مسئلہ ہے جو یہیں کہیں چھپ چھپا کر مفقود الخبر
غائب کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسے افراد کی بھی ملک میں کمی نہیں جو صاحب اولاد
ہونے کے باوجود عقد ثانی کرکے اپنی نئی بیویوں کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں اور
سابقہ بیویوں کو معلق چھوڑ دیتے ہیں۔ عورتوں کی تعلیق کا مسئلہ قرآن کی نص صریحاً
خلاف ہے۔

فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ط

(۴:۲۲۹) ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا چھوڑ دو۔

علاوہ ازیں ہماری عائلی زندگی میں کتنی ہی ایسی نزاعات ہیں جو امراض کہنہ کی
طرح پرورش پاتی رہتی ہیں جن کے وجود سے انس و محبت کے کتنے ہی گہوارے
لڑائی جھگڑے کے اکھاڑوں میں تبدیل ہو جاتے اور بغض و عناد کے جذبات کو ابھارتے
رہتے ہیں۔ زن و شو کے مابین مناقشات دیرپا شکل اختیار کر لیں اور منافرت و نااتفاقیوں
کے جذبات مستقل اسباب کا نتیجہ ہوں تو ان کا اظہار اور ان پر اصرار عائلی زندگی
کی غایات کے منافی ثابت ہوتا ہے اور مناکحت کا مقصدی (Purpose - oriented)
ادارہ ایسی ناخوشگوار فضا میں پھل پھول نہیں سکتا۔
محبت سے عاری اور تعاون سے خالی جو ماحول ہوگا وہ ملت کو نیک اور صالح افراد
فراہم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک عظیم خسارہ ہے جس کو ایک عرصۂ دراز
سے ملت اسلامیہ برداشت کرتی چلی آ رہی ہے۔ اسلامی نظام حیات کی لطافتیں بغض
و عناد اور مناقشہ و منافرت کی کثافتوں کو برداشت کرنے کی روادار نہیں ہیں۔ طلاق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ عائلی زندگی کو تشنگی رحمتوں کی آماجگاہ بنائے رکھنے کے لئے قرآن کا "الا ان یخافا الا یقیما
حدود اللہ" پر بار بار اصرار اور خاندان کی فضا کو پاکیزہ و معروف آمیز رکھنے
اور زن و شوہر کے ازدواجی تعلقات کو استوار رکھنے کے لئے "وائتمروا بینکم بمعروف"
اور "ولا تنسوا الفضل بینکم" کی تلقین اسی مقصد کی تکمیل کے لئے ہے
کہ زندگی کی گاڑی بردباری اور عفو و درگذر کے سہارے چلتی رہے اور اس میں رکاوٹ
کے اندیشے پیدا ہو جائیں تو تحکیم کے ذریعہ مصالحت کی کوششیں جاری رہیں۔ یہ سب
نصیحتیں اسی امر کی طرف اپنا رجحان ظاہر کر رہی ہیں کہ انس و محبت کا یہ سکون تادیر قائم
رہے اور تناسل و حفظ نسل کی اعلیٰ انسانی ذمہ داریاں بطریق احسن جاری رہیں اور
امت کے لئے باعث برکت بنی رہیں۔ انہی وجوہ کی بنا پر شریعت نے عقد مناکحت
کو عہد وثیق قرار دیا ہے اور اس کی تلقینات کا تمام تر میلان اسی جانب ہے کہ عمرانی
زندگی کا یہ بنیادی ادارہ استقامت و استمرار کے تصورات کے ساتھ اپنے فرائض انجام
دیتا رہے۔ اگر کسی وجہ سے زوجین کے مابین کشیدگی کے تعلقات شدت اختیار کریں
اور مصالحت کی ساری کوششیں بے فیض ثابت ہوں اور ان کے یونہی باقی رہنے کی صورت
میں حدود اللہ سے شکست و ریخت کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو ایسے تعلقات کو ختم کر دینا
ان کو باقی رکھنے سے کہیں بہتر ہے جمیلہ بنت ابی بن سلول کا قول اس سلسلہ میں بہت بلیغ
ہے جب اس نے اپنے شوہر ثابتؓ بن قیس سے خلع لینے کے جواز کو ثابت کرنے کے لئے
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں کہا تھا کہ نہ مجھے قیس کے دین میں فتور نظر آتا
ہے نہ اس کے برتاؤ میں کوئی قصور لیکن مجھے اس کے ساتھ زندگی بتانے میں یہ اندیشہ
ہے کہ کہیں معصیتوں میں گرفتار ہو کر حدود اللہ کو توڑنے کا باعث نہ بن جاؤں۔ اس
وقت اس نے یہ بلیغ جملہ کہا تھا:

لکنی اکرہ الکفر فی الاسلام۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمہ کی روداد سُنی اور جمیلہ سے دریافت فرمایا کہ کیا وہ خلع کے معاوضہ میں قیس کے اُس باغ کو واپس کر دے گی جو قیس نے اس کو دیا تھا۔ اس نے کہا کہ فدیہ میں اس سے کچھ زیادہ کا بھی مطالبہ ہو تو وہ دینے کو تیار ہے۔ آپ نے اس رضامندی پر بس اتنا فرمایا کہ مزید کچھ اور دینے کی ضرورت نہیں اور قیس سے فرمایا کہ وہ خلع پر اپنی طرف سے طلاق دے دے۔ یہ فقہ اسلامی کی تاریخ میں خلع کا پہلا مقدمہ تھا اور پوری اسلامی سادگی سے حضورؐ کی عدالت سے اس کا فیصلہ صادر ہوا گویا یہ عملی تفسیر تھی اس نصِ صریح کی جو اس مسئلہ کی نسبت نازل ہوئی ہے :-

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرہ ۲ : ۲۲۹) [1]

اسلام کی نظر میں سماج کا جو تصور ہے اس کے تقدس کا اندازہ ان الفاظ سے ہو سکتا ہے جو اس نے طلاق و خلع کے سلسلہ میں استعمال کیے ہیں۔ اللہ کی نظر میں ان کو "ابغض المباھات" قرار دیا گیا ہے لیکن اس پچھلے دروازے کو اس لئے کھلا رکھا گیا ہے کہ مجبوری کے وقت ایک ناگزیر برائی کے طور پر اس سے بڑھی ہوئی مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے بکراہیت استعمال کیا جا سکے یہ راستہ جس طرح مردوں کے لئے کھلا ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی کھلا ہے۔ زندگی اللہ کی امانت ہے اور دونوں ہی کے لئے ہے۔ صلاح و فلاح کی پاکیزہ زندگی کو ہلاکت و فلاکت کے خسران سے محفوظ رکھنے کے لئے شریعت نے دونوں صنف کے افراد کو

---

[1] ترجمہ: اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ دونوں (یعنی زوجین) حدودِ الٰہی پر قائم نہ رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مساوی حقوق عطا کیے ہیں۔

شوہر کو طلاق دینے کا حق عطا کیا گیا اور بیوی کو خلع لینے کا جہاں تک حقوق کا تعلق ہے زوج و زوجہ کے مابین مساوات رکھی گئی ہے: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ ط لیکن اس حق کے نفاذ کے اختیار (Execution of Power) میں چند در چند وجوہ کی بنا پر عورت پر مرد کو یک گونہ برتری عطا کی گئی ہے۔ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ط (۲: ۲۲۸) یوں بھی اسلام میں سماجی زندگی کا تصور مادرانہ نہیں بلکہ پدرانہ (Patriarchal System) ہے جس میں قوامیت مرد ہی کو حاصل ہوتی ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ط (۴: ۳۴)

ان منصوصات کی رو سے واجبی محرکات کی بنا پر اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو اس کی طلاق نافذ ہو جاتی اور ریکارڈ کر لی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر معقول شرعی وجوہ کی بنا پر عورت خلع لے تو یہ اس وقت تک نہیں پڑتی جب تک کہ اس کا شوہر اس کو منظور کرتے ہوئے اس پر اپنا اختیار طلاق نافذ نہ کر دے۔ اگر وہ طلاق دینے سے انکار کر دے تو خلع کا مطالبہ غیر مؤثر ہو کر رہ جاتا ہے اور بیوی عقد کی بندھنوں میں جکڑی ہی رہتی ہے خلع تابع طلاق ہونے کی وجہ سے عورت ایک حد تک مجبور تو ضرور رہتی ہے لیکن شریعت نے اس کو مطلقاً مرد کے رحم و کرم پر چھوڑ نہیں دیا ہے عورت کو شریعت نے یہ مزید حق بھی عطا کیا ہے کہ وہ مرد کے انکار کرنے پر اس کی مرضی پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اس یک طرفہ فیصلے کے خلاف قاضی کی عدالت میں مرافعہ کر سکتی ہے۔ اگر قاضی مدعیہ کے مطالبۂ خلع کی وجہ جواز کو تسلیم کر لے تو وہ حدود اللہ کے تحفظ کے پیش نظر شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کر سکتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرد اگر وہ پھر بھی اپنے انکار پر مصر رہے تو اختیار طلاق کو اپنی طرف سے استعمال کر کے انفساخ نکاح کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ قاضی کی طرف سے انفساخ کا حکم صادر ہونے کے بعد بالآخر عورت بھی طلاق کے معاملہ میں بالواسطہ طریق سے مرد کے مساوی حقوق کی حامل ہو جاتی ہے۔ فرق صرف اختیار نفاذ کے مدارج کا ہے اور مجبوری محض قضائے قاضی کے عدم وجود کی وجہ سے ہے۔ چونکہ قضاء کا ادارہ شرعی قوانین کے نفاذ، فیصلوں کے صدور اور تنازعات کے تصفیہ کا ذریعہ ہے اس لئے اس کی عدم موجودگی سے انصاف کے یہ تمام اہم کاروبار معطل ہو کر رہ جاتے ہیں اور معاشرتی زندگی کے گوشہ گوشہ میں حرج کی بھیانک صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ معاشرہ میں ایسے سنگین حالات خود مسلمانوں کی کوتاہیوں اور تنگ نظریوں کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں یا یہ نتیجہ ہے خود اسلامی نظام قانون کی کوتاہیوں کا؟

جہاں تک شریعتِ اسلامیہ کا تعلق ہے اس نے "حرج" کو اسلامی مزاج ہی کے منافی قرار دے دیا ہے۔ اور اس اعتبار سے اسلامی معاشرہ میں اس کے لئے کوئی جگہ ہے ہی نہیں۔ اگر ایسی کیفیات کسی بھی وجہ سے کہیں رونما ہوں تو ان کا ازالہ مسلمانوں کی دینی ذمہ داریوں میں داخل ہے۔ اوامر و نواہی سے متعلق قرآن کے تمام ہی احکام میں قضاء مضمر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اس سے اغماض کر جائیں یا اس کے قیام کے سلسلہ میں اپنی کوتاہیوں کے باعث سہل انگاری سے کام لیں۔ اسلامی نظام حیات اپنے ماننے والوں سے جد و جہاد کا طالب ہے:

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ [1] (۲۲ : ۷۸)

---

[1] ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں جان لڑا دو اس کی راہ میں جان لڑا دینے کا جو حق ہے۔ اس نے تمہیں برگزیدگی کے لئے چن لیا، تمہارے دین میں کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی نظام حیات بالخصوص عائلی نظام جو مکمل طور پر مدون ہو چکی ہے بشرطیکہ اس کو ماننے والے پوری ذمہ داریوں کے ساتھ اس کو قبول کریں اور اپنی سماجی زندگی میں اس کو بتمام و کمال برپا کرنا چاہیں۔ قرآن کی پہلی دعوت، اپنے ماننے والوں سے یہی رہی ہے کہ وہ کلیتہً اسلام کے دائرہ حیات میں داخل ہو جائیں:

ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ط

اس دعوت کے مقتضیات میں نہ صرف احکام الٰہی پر ایمان لانا ہی کافی ہے بلکہ ان احکام کو روزمرہ معاشری زندگی میں تدوین فقہ کے ذریعہ قابلِ عمل بنانا بھی ہے مسلمان فقہا کی ذمہ داریوں میں شامل ہے اور اسی طرح ان قوانین کی تنفیذ و تعمیل کے لئے قضاء کے اداروں کا قیام اور تعمیل کے لئے عاملہ کی تنظیم بھی ملت اسلامیہ کی مقدس ذمہ داریوں میں ہے۔ مقننہ، عدلیہ اور عاملہ نہ صرف ایک مملکت ہی کے اعضائے حکومت ہیں بلکہ جہاں بھی اور جب بھی ایک مربوط و منظم معاشرہ کا قیام عمل میں آتا ہے تو ملی زندگی کی تنظیم کے مراحل میں یہ تینوں [illegible] ادارے تنظیم بھی کسی نہ کسی شکل میں ابھرنے لگتے ہیں۔ مدینہ میں سٹی اسٹیٹ کے قیام سے پہلے بھی احکام کا نزول شروع ہو چکا تھا اور بتدریج ان میں اضافہ ہوتا گیا۔ اسلامی زندگی کے اس عبوری دور میں جو تنظیمی ادارے دینی ڈسپلن کے سہارے ارتقا پذیر رہے مدنی زندگی میں یہی ادارے اعضائے حکومت کی ترقی یافتہ شکل میں تبدیل ہو گئے۔ قضاء سے متعلق قرآنی احکام بھی ان اداروں کا قیام مضمر ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ النساء ۴: ۵۹ لہ

ترجمہ: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک افسوس ناک خبر

نہایت افسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ ۲۷ مارچ ۱۹۸۵ء کی صبح سوا سات بجے حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی رحؒ کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا تدفین قبرستان مہندیان میں ہزار ہا ہزار افراد کے درمیان عمل میں آئی۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی اہلیہ کی رحلت سے خاندان عثمانی کو زبردست جھٹکا لگا ہے۔ براہِ کرم زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کریں۔ مرحومہ اہلیہ مفتی صاحبؒ بڑی خوبیوں اور بے پناہ صلاحیتوں کی مالک تھیں۔ ادارہ ندوۃ المصنفین کے بہت سے علمی، دینی اور مذہبی وتجارتی معاملات میں حصہ لیتیں اور اپنے مشوروں سے ادارہ کو کمک پہونچاتی تھیں جس سے استفادہ حاصل ہوتا اور حضرت مفتی صاحبؒ ان کے اس عمل سے بے حد متاثر ہوتے۔ اگر آپ حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ کی اہلیہ کے ابتدائی حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہیں تو وہ جن حالات سے دوچار ہوتی رہیں کس طرح انھوں نے اس کو حسن وخوبی سے نبھایا وہ ہر لحاظ سے بے مثال ہے۔

حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کے دل میں ان کی خوبیوں کی قدر و منزلت دن دونی رات چوگنی برابر مزید بڑھتی چلی گئی اور اہلیہ کی اتنی طویل علالت سے ان کا دل بے حد متاثر ہوتا تھا۔ میری والدہ ماجدہ کی جدائی میرے لئے بہت بڑا سانحہ ہے۔

صاحبزادہ
عمید الرحمٰن عثمانی

© rasailojaraid.com